لغات واعرابِ قرآن (۳۹)

پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۳۰)

آیات ۴۵-۴۶

> ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳، اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲ : ۳۰ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

۲ : ۳۰ : ۱ اللغۃ

[وَاسْتَعِيْنُوْا] میں ابتدائی واو عاطفہ کو نکال کر باقی "استعینوا" کا مادہ "ع و ن" اور وزن اصلی "اِسْتَفْعِلُوْا" ہے اس کی اصلی شکل "اِسْتَعْوِنُوْا" تھی جس میں عربوں کے طریق تلفظ کے مطابق، متحرک "واو" کی حرکت (ـِ) اس کے ماقبل ساکن حرفِ صحیح (ع) کو دے کر خود اس (واو) کو اپنے ماقبل کی

© rasailojaraid.com

حرکت (ـِ) کے موافق حرف (ی) میں بدل کر" بولا اور لکھا جاتا ہے یعنی" اِسْتَعْوِنُوْا - اِسْتَعِوْنُوْا ہو جاتا ہے۔

● یہ کلمہ "اسْتَعِیْنُوْا" اس مادہ (ع و ن) سے باب استفعال کا فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس کا ترجمہ "تم مدد طلب کرو" ہے اس مادہ (ع و ن) سے فعل مجرد نیز اس باب (استفعال) کے معانی اور استعمال پر اس سے پہلے الفاتحہ : ۵ [ا: ۴: ۱ (۴)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

۲ : ۳۰ : ۱ (۱) [بِالصَّبْرِ] کی ابتدائی "باء (بِ)" کے معنی یہاں استعانت کے ہیں یعنی "کے ذریعے" کی مدد سے"۔

[استعاذہ کی بحث میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ باء الجر (بِ) بلحاظ معنی عموماً مصاحبت، استعانت، سببیت، تعویض، بدل، ظرفیت اور قسم کے لیے استعمال ہوتی ہے جس کا اردو ترجمہ حسب موقع (علی الترتیب) "(۱) . . . کے ساتھ (۲) کے ذریعے یا کی مدد سے (۳) . . . کی بناء پر یا کے سبب سے (۴) . . کے بدلے (۵) کی بجائے (۶) کے پاس سے یا کے وقت اور (۷) . . . کی قسم ہے" کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ کبھی یہ باء الجر بعض دوسرے حروف جارہ مثلاً ل، فی، من، عن، علی إلی اور مَعَ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ کبھی مَا (الحجازیۃ - نافیہ) کی خبر پر داخل ہو کر اس میں زور اور تاکید کے معنی پیدا کرتا ہے۔ اور اکثر فعل لازم کو متعدی بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ استعاذہ کی بحث میں چونکہ حوالہ کے لیے پیراگرافنگ (قطعہ بندی) اختیار نہیں کی گئی تھی۔ اس لیے یہاں ہم نے اس کا اعادہ کر دیا ہے۔ آئندہ یہی حوالہ دیا جائے گا]۔

اور کلمہ [الصَّبْرِ] کا مادہ "ص ب ر" اور وزن (لام تعریف نکال کر) "فَعْلٌ" ہے (جو یہاں مجرور ہے بوجہ "با")۔ اس مادہ سے فعل مجرد صَبَر . . . یَصبِرُ صَبْرًا (ضرب سے) کے بنیادی معنی ہیں: ". . . کو روک رکھنا، . . . کو قابو میں رکھنا" عموماً اس سے "اپنے آپ کو کسی قابلِ مذمت کام سے روکنا" مراد ہوتا ہے۔ خصوصاً "تکلیف یا مصیبت کے وقت اپنے اعضاء اور حواس کو قابو رکھنا اور کسی قسم کی گھبراہٹ یا بدحواسی کا اظہار نہ کرنا" کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

● اس کا مفعول کبھی براہِ راست (بغیر صلہ کے) آتا ہے جیسے "واصبِرْ نفسَکَ" (الکھف: ۲۸) میں ہے۔ اور اکثر اس کا مفعول (بنفسہٖ) محذوف (غیر مذکور) ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا ترجمہ فعل لازم کی طرح (مثبت یا منفی) کر لیا جاتا ہے مثلاً "نہ گھبرانا، ڈٹے رہنا، گھبراہٹ کا اظہار نہ کرنا، ثابت قدم رہنا، باہمت ہونا، ہمت سے کام لینا" وغیرہ۔ اور اسی کا ترجمہ "صبر کرنا، صبر سے کام لینا" سے کیا جا سکتا

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہے کیونکہ لفظ "صبر" اردو میں مستعمل ہے (اگرچہ اپنے پورے عربی مفہوم کے ساتھ نہیں)۔قرآن کریم میں اس فعل کا اس طرح (بحذف مفعول) استعمال ۴۰ سے زیادہ جگہ آیا ہے۔کبھی اس فعل کے بعد "علیٰ" کا صلہ آتا ہے جیسے "واصبِر علی ما اصابَکَ" (لقمان: ۱۷) اس وقت اس کا ترجمہ حسب موقع "...کے مقابلے پر" (یا صرف) "...صبر کرنا" یا "...کو برداشت کرنا" کیا جا سکتا ہے۔اور کبھی اس فعل کے بعد "لام (لِ)" کا صلہ آتا ہے جیسے "واصبِر لِحُکمِ ربِّکَ" (الطور: ۴۸) میں ہے۔تب اس کا ترجمہ "...کے لیے، کی خاطر صبر کرنا" ہو سکتا ہے۔قرآن کریم میں "علیٰ" کے صلہ کے ساتھ ۱۲ جگہ اور "لِ" کے ساتھ "چار" جگہ یہ فعل آیا ہے —[اور غور کیا جائے تو ہر جگہ اصل مفعول (مثلاً نَفسَکَ) محذوف ہوتا ہے اور یہ جار مجرور دراصل متعلقِ فعل ہوتے ہیں]—

● افعال کے علاوہ ثلاثی مجرد کے بہت سے اسماء مشتقہ اور مصادر وغیرہ بھی (اس مادے سے) قرآن کریم میں بکثرت (۱۴ جگہ) وارد ہوئے ہیں۔اور مزید فیہ کے ابواب مفاعلہ اور افتعال سے بھی فعل امر کا ایک ایک صیغہ آیا ہے۔ان سب پر اپنی اپنی جگہ بات ہو گی۔ان شاء اللہ العزیز۔

● زیر مطالعہ لفظ "الصبر" (جو مفرد یا مرکب اور معرفہ نکرہ مختلف صورتوں میں قرآن کریم میں پندرہ [۱۵] بار آیا ہے) دراصل تو فعل ثلاثی مجرد کا ایک مصدر ہی ہے جس کے مصدری معنی اوپر بیان ہوئے ہیں۔ اردو میں بھی "صبر" کا لفظ متعارف ہے تاہم بعض جگہ اس چیز کے لحاظ سے جس سے آدمی اپنے آپ کو روکتا ہے محض "صبر" کی بجائے کسی اور لفظ سے بھی اس کا ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔مثلاً میدانِ جنگ میں صبر سے مراد "شجاعت اور ثابت قدمی" ہو گا۔شہوات اور خواہشات کے مقابلے پر صبر کا نام "عفت" ہو گا۔لالچ اور حرص کے مقابلے پر صبر کا نام "قناعت" ہو گا — ماہ رمضان کو حدیث شریف میں "شہر الصبر" (صبر کا مہینہ) اسی لیے کہا گیا ہے کہ آدمی اس میں نفس کو اس کی خواہشات سے روک کر رکھتا ہے۔اسی طرح کسی ناگوار چیز کے مقابلے پر جزع (گھبراہٹ اور بے چینی) کے اظہار کو روک لینا بھی "صبر" ہی ہے — یعنی صبر پسندیدہ چیز کے مقابلے پر بھی ہوتا ہے اور کسی ناگوار چیز کے مقابلے پر بھی — قرآن کریم میں اس لفظ (صبر) کا استعمال ہر دو مفہوم کے لیے ہوا ہے — تاہم دوسرے معنی (صبر بمقابلہ مکروہ) کے لیے زیادہ آیا ہے۔یعنی یہ ایک کیفیت، رویّہ اور ردّعمل کا نام ہے۔

[وَالصَّلٰوۃِ] یہ وَ (اور) + الصلوۃ ہے — لفظ "الصلوۃ" (نماز) کے مادہ، وزن اور اس کے لغوی و اصطلاحی معنی وغیرہ البقرہ ۳ یعنی [۲:۲:۱(۴)] میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں۔

۲: ۳۰: ۱ (۲) [وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ] یہ وَ + اِنَّ + ھَا + لَ + کبیرۃ کا مرکب ہے جس میں "وَ"

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

عاطفہ بمعنی "اور" ہے "اِنَّ" حرف مشبہ بالفعل بمعنی "بے شک"، "ھا" ضمیر منصوب بمعنی "وہ"، "لَ" حرفِ تاکید بمعنی "ضرور" اور "کبیرۃ" بمعنی "گراں یا مشکل" ہے۔ اس طرح اس عبارت (بلکہ جملے) کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "اور بے شک وہ ضرور گراں ہے"۔ اس میں سے وضاحت طلب لفظ "کبیرۃ" ہے۔

● "کبیرۃ" کا مادہ "ک ب ر" اور وزن "فَعِیْلَۃٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد کے مختلف ابواب اور معانی و استعمالات پر اس سے پہلے البقرہ: ۳۴ [۲: ۲۴: ۱ (۵)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔ وہاں بیان ہوا تھا کہ اس مادہ سے فعل مجرد جب باب "کرم" سے آتے تو اس کے بنیادی معنی تو "بڑا ہونا" ہوتے ہیں مگر اس بڑائی کے تین مختلف مفہوم بنتے ہیں۔ (یہ تینوں مفہوم وہاں بیان ہوئے تھے) ان میں سے ایک مفہوم اس فعل کا (علیٰ کے صلہ کے ساتھ) بھاری، گراں، مشکل یا ناگوار ہونے کا ہوتا ہے۔ اور اگرچہ اس "بڑا ہونا" کے لیے صفت عموماً "کبیر" آتی ہے تاہم جب کوئی چیز بھاری، گراں، مشکل اور ناگوار" ہونے کے لحاظ سے "بڑی" ہو تو اس کے لیے صفت "کبیر" کی بجائے "کبیرۃ" استعمال ہوتی ہے اور زیر مطالعہ لفظ (کبیرۃ) یہاں اسی مفہوم میں آیا ہے۔

● دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ یہاں لفظ "کبیرۃ" کے آخر والی "ۃ" محض تانیث کے لیے نہیں بلکہ مبالغہ کے لیے ہے [اور یہ تائے مبالغہ عربی میں بہت سے الفاظ کے آخر پر آتی ہے مثلاً "عَلَّامَۃٌ" بہت بڑے عالم کو اور "خَائِنَۃٌ" بہت بڑے خائن کو (بھی) کہتے ہیں۔] اس طرح "کبیرۃ" کے معنی "بہت گراں، نہایت مشکل، سخت ناگوار" کے ہوتے ہیں اور اسی لیے بڑے گناہ کو "کبیرۃ" (جمع کبائر) کہتے ہیں اسی لیے یہاں "وانھا لکبیرۃ" کا ترجمہ "اور بے شک وہ تو بہت گراں/ شاق/ بھاری ہے" سے کیا گیا ہے ــــ ان معنی کے لیے فعل کے ساتھ جو "علیٰ" کا صلہ آتا ہے وہ یہاں بھی اگلی عبارت میں آرہا ہے۔

۲: ۳۰: ۱ (۳) [اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ] یہ اِلَّا (مگر) + علی (پر، کے اوپر) + الخاشعین (جس پر ابھی بات ہوگی) کا مرکب ہے۔ اس ترکیب پر مزید بحث تو آگے "الاعراب" میں آئے گی۔ یہاں لفظ "الخاشعین" کے لغوی پہلو پر بات کرتے ہیں ــــ اس لفظ کا مادہ "خ ش ع" اور وزن (لام تعریف کے بغیر) "فاعلین" ہے یعنی یہ لفظ "خاشِعٌ" (اسم الفاعل) کی جمع مذکر سالم (بحالت جر) ہے۔ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد "خشع یخشَع خُشوعًا" (فتح سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں: "عاجزی (کا اظہار) کرنا، جھک یا دب جانا"۔ اور اس میں بدن کے جھکنے سے زیادہ "دل میں عاجزی اور خوف کی سی کیفیت پیدا ہونے" کا مفہوم ہوتا ہے۔ جس کا اثر "آنکھ کے جھک

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

"جانے" اور "آواز کے دَب جانے" کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اگر اس میں بدن کا جھکنا بھی شامل ہو تو اسے "خُضوع" (خضَع یخضَع کا مصدر) کہتے ہیں[1] ـــــ اسی لیے "خشَع یخشَع" کا ترجمہ "دل کا پگھلنا/ ڈرنا/ جھکنا" بھی ہو سکتا ہے۔ اور چونکہ اُردو میں لفظ "خشوع" (اپنے اصل عربی معنی کے ساتھ) بھی متعارف ہے اس لیے اس کا ترجمہ "خشوع رکھنا، دل میں خشوع رکھنا" بھی کیا جاتا ہے۔

● بنیادی طور پر یہ فعل لازم ہے (اس لیے اس سے صرف اسم الفاعل "خاشع" استعمال ہوتا ہے اس سے اسم المفعول نہیں بنتا اور نہ استعمال ہوتا ہے)۔ لیکن اگر اس فعل کے ساتھ اس کا بھی ذکر کرنا ہو جس کے آگے "عاجزی کرنا، دب جانا، ڈرنا، دل کا پگھلنا یا خشوع کرنا" مراد ہے تو لازم سے متعدی بنانے کے لیے اس کے ساتھ لام (لِ) کا صلہ لگتا ہے یعنی "خشع لہٗ" کہتے ہیں (خشعہٗ کہنا بالکل غلط ہے۔ جیسے سجدہٗ نہیں بلکہ "سجد لہٗ" کہتے ہیں) اور عموماً اس "لام" کے بعد اللہ تعالیٰ یا [illegible] کا ذکر ہوتا ہے جیسے "خاشعین لِلّٰہِ" (آل عمران: ۱۹۹) میں ہے۔ بلکہ اس فعل (خشع یخشع) کے معنی میں شامل "عاجزی اور خوف اور جھکنا" سے مراد ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے "عاجزی اور اس کا خوف" ہوتا ہے اس لیے اگر اس فعل کے بعد یہ "بالجر مفعول" مذکور نہ بھی ہو تو وہاں محذوف "لِلّٰہِ" سمجھا جاتا ہے۔

● قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے صرف دو صیغے آئے ہیں۔ ایک جگہ (طٰہٰ: ۱۰۸) ماضی اور ایک جگہ (الحدید: ۱۶) مضارع ـــــ اور دونوں جگہ "مفعول کے طور پر علی الترتیب" للرحمٰن" اور "لِذِکرِ اللّٰہ" مذکور ہوا ہے۔ اس فعل (خشع) کی ضمیر فاعل عموماً "بندہ" کے لیے ہوتی ہے تاہم کبھی بطور فاعل (اسم ظاہر) کسی اور چیز (انسانی فعل یا عضو) مثلاً "قلب" (دل)، "صوت" (آواز) یا "بصر" (نگاہ) کا ذکر بھی ہوتا ہے یعنی دل یا نگاہ کا خوف سے جھک جانا یا آواز کا دب جانا ـــــ

● قرآن کریم اس فعل (خشع) کے فاعل یا صفت "خشوع" سے متصف کے طور پر "قلوب" (الحدید: ۱۶)، "الاصوات" (طٰہٰ: ۱۰۸) اور "ابصار" (ن: ۴۳) کے علاوہ "الارض" (حٰم السجدۃ: ۳۹) اور "وجوہ" (الغاشیۃ: ۲) بھی مذکور ہوئے ہیں۔ ان سب کی مزید وضاحت اپنے اپنے موقع پر ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

عربی زبان میں یہ فعل (خشع) اپنے فاعل کی مناسبت سے بعض دیگر معانی (مثلاً پتوں کا جھڑنا، گرہن لگنا، رک جانا) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو قرآن کریم میں کہیں استعمال نہیں ہوئے۔

---

[1] دیکھیے القاموس للفیروز آبادی تحت مادہ "خشع"۔

© rasailojaraid.

تاہم اس فعل کے تمام معانی میں "عاجزی" والا بنیادی مفہوم موجود ہوتا ہے۔

● زیر مطالعہ لفظ "الخاشعین" اس فعل مجرد (خشع یخشع) سے صیغہ اسم الفاعلین ہے (یعنی جمع مذکر سالم)۔ اس کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "خشوع کرنے والے' عاجزی کرنے والے" اور بعض نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ تاہم چونکہ "خشوع" قلب کی ایک کیفیت ہے اس لیے بعض حضرات نے اس کا ترجمہ "جن کے قلوب پر خشوع ہے" کیا ہے جو اصل "الخاشعین" سے بھی بھاری بھر کم "ترجمہ" ہے اس کے مقابلے پر بعض نے "جن کے دل پگھلے ہوئے ہیں" کے ساتھ ترجمہ کر کے اسی مفہوم کو آسان اور عمدہ لفظوں میں ادا کر دیا ہے۔ بعض مترجمین نے اسم الفاعل کی بجائے فعل مضارع کی طرح اور محذوف "مفعول" کے اضافے کے ساتھ ترجمہ کیا ہے یعنی "جو میری طرف جھکتے ہیں" یا "جو اللہ سے ڈرتے ہیں"۔ ظاہر ہے اسے تفسیری ترجمہ ہی کہہ سکتے ہیں ورنہ بلحاظ ترجمہ تو یہ اصل الفاظ سے بہت دور ہے۔

● بطور اسم الفاعل لفظ "خاشع" اس کی مؤنث "خاشعة" جمع مذکر سالم "خاشعون" جمع مؤنث سالم "خاشعات" اور جمع مکسر "خُشَّعٌ" ــــ معرفہ نکرہ اور مختلف اعرابی حالتوں میں ــــ قرآن کریم کے اندر ۱۴ جگہ آئے ہیں اور مصدر "خشوع" صرف ایک جگہ (بنی اسرائیل: ۱۰۹) آیا ہے۔

۲ : ۳۰ : ۱ (۴) [اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ] اس میں "الذین" تو اسم موصول بمعنیٰ "وہ لوگ جو کہ" ہے۔ اسمائے موصولہ پر [۱ : ۶ : ۱ (۱)] میں بات ہوئی تھی۔ "یظنون" کا مادہ "ظ ن ن" اور وزن "يَفْعُلُوْنَ" ہے گویا یہ دراصل "يَظْنُنُوْنَ" تھا جس میں پہلے "ن" کا ضمہ (ـُـ) اس کے ماقبل ساکن (ظ) کو دے کر پہلے "ن" کو دوسرے "ن" میں مدغم کر کے لکھا اور بولا جاتا ہے۔ اس ثلاثی مادہ (ظنن) سے فعل مجرد "ظَنَّ ... يَظُنُّ ظَنًّا (نصر سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی "خیال کرنا" ہیں۔ یہ فعل "افعال القلوب" میں سے ہے کیونکہ "خیال" ایک ایسا فعل ہے جس کا تعلق دل اور دماغ سے ہے۔ ظاہری اعضاء (ہاتھ پاؤں وغیرہ) کا اس میں دخل نہیں ہوتا ــــ دراصل اس فعل میں "کسی چیز کی حقیقت کے بارے میں دل میں آنے والے خیالوں میں سے کسی ایک خیال کے بارے میں ترجیح کا کوئی پہلو پا لینے" کا مفہوم ہوتا ہے ــــ اس لیے یہ فعل "خیالِ راجح" یا "گمانِ غالب" کے لیے آتا ہے یعنی "شک" اور "یقین" دونوں معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور سیاق و سباقِ عبارت اس کے معنی متعین کرتا ہے۔ اس دو طرفہ مفہوم کو ظاہر کرنے کے لیے ہی اردو میں اس کا ترجمہ "خیال" سے کیا جاتا ہے کیونکہ "خیال" شک میں بھی بدل سکتا ہے اور یقین میں بھی۔

© rasailojaraid.com

● اس فعل (ظنّ) کے عموماً دو مفعول آتے ہیں اور دونوں (بنفسہ) منصوب ہوتے ہیں کبھی اس کا صرف ایک مفعول بھی آتا ہے جو بنفسہ بھی ہو سکتا ہے اور اس پر "بِ" کا صلہ بھی آسکتا ہے۔ اس صورت میں اس کے معنی "۔ ۔ ۔ ۔ پر تہمت لگانا" ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں "ظَنَّ فلانًا (یا) بِفلانٍ (فلاں پر تہمت لگائی)۔ اور کبھی اس فعل کا مفعول ایک جملہ ہوتا ہے جو "أَنَّ" (ثقیلہ) یا "أَنْ" (خفیفہ) سے شروع ہوتا ہے (جیسے یہاں زیر مطالعہ آیت میں آیا ہے) اس مادہ (ظنن) سے قرآن کریم میں صرف فعل مجرد ہی استعمال ہوا ہے جس کے ماضی مضارع کے مختلف صیغے ۴ ۶ جگہ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس فعل کے مصدر اور دیگر اسماء مشتقہ وغیرہ بھی ۲۲ جگہ آئے ہیں۔

● زیر مطالعہ لفظ "یَظُنُّونَ" اس فعل مجرد (ظنَّ یظُن) سے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ اس فعل کے مذکورہ بالا معانی اور استعمال کو ملحوظ رکھتے ہوئے اکثر مترجمین نے اس کا ترجمہ "وہ خیال رکھتے ہیں" اور "جن کو خیال ہے" سے کیا ہے۔ بعض نے "جو جانتے ہیں" یا "جو سمجھتے ہیں" سے ترجمہ کیا ہے جس میں "شک" سے زیادہ "یقین" کا مفہوم ہے۔ اور بعض نے اس کا ترجمہ "جو یقین کیے ہوئے ہیں" یا "جن کو یقین ہے" سے کیا ہے جس کی تائید بعد میں آنے والی عبارت "انھم ملاقو ربھم وانھم الیہ راجعون" سے ہوتی ہے۔

● صاحب "المنار" کے بیان کردہ ایک تفسیری نکتہ کا ذکر مناسب لگتا ہے کیونکہ اس کا تعلق کچھ لغوی بحث سے بھی بنتا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہاں "ظن" بمعنی شک یا گمان بھی لیا جائے تب بھی یہ بات تو واضح ہے کہ "بعض دفعہ آدمی قطعی یقین کے بغیر محض کسی نقصان یا نفع کے شک اور گمان پر بھی کسی چیز سے بچتا یا کسی چیز کا طلبگار رہتا ہے۔ گویا "ظن"، "شک" اور "گمان" بھی احتیاط یا طمع کا باعث ضرور بن سکتا ہے[1] اور یہی ہمارا روز و شب کا مشاہدہ ہے تو گویا یہ دوسروں کو وعظ کرنے اور اپنے آپ کو بھول جانے والے لوگ روز حساب کے بارے میں "شک" میں بھی خالی ہیں۔ اور عملاً ہم بھی یوم حساب اور آخرت کے "امکان" یا "شک" تک سے بھی خالی الذہن ہیں۔

۲ : ۳۰ (۵) [أَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ] اس جملے کا ابتدائی حصہ "أَنَّهُمْ" أَنَّ (کہ بے شک) + هُمْ (وہ سب) کا مرکب ہے اور باقی عبارت "مُلٰقُوْ" (جس کی ابھی وضاحت ہوگی) + ربّ (پروردگار) + هُمْ (ان کا) کا مرکب ہے۔ یہ کلمہ "مُلٰقُوْ" دراصل "مُلٰقُوْنَ" تھا — اور آگے "رَبِّهِمْ" کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے اس کا آخری (اعرابی) "ن" گر گیا ہے یعنی یہ خفیف (لام تعریف اور

---

[1] دیکھئے تفسیر المنار ج ا ص ۳۰۰

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

تنوین دونوں سے فارغ) ہوگیا ہے۔

● اور اصل کلمہ "مُلاقونَ" کا مادہ "ل ق ی" اور وزن اصلی "مُفَاعِلُونَ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "مُلَاقِیُوْنَ" تھی۔ جس میں واو الجمع سے ماقبل والی "یاء" (جو اس ناقص مادے کا لامِ کلمہ ہے) گر جاتی ہے اور اس سے ماقبل "ق" (عین کلمہ) کی کسرہ (ـِ) کو ضمہ (ـُ) میں بدل کر لکھا اور بولا جاتا ہے۔ اس قاعدے کی تفصیل کے لیے دیکھئے ۲:۱۶:۱(۵) بحث "تَتَّقُوْنَ"۔ اس مادہ (ل ق ی) سے فعل مجرد کے باب اور معنی وغیرہ پر البقرہ: ۱۴ [۲:۱۱:۱(۱)] میں بات ہوچکی ہے۔

● زیر مطالعہ لفظ (ملاقون) اس مادہ سے باب مفاعلہ کا صیغۂ اسم الفاعل (جمع مذکر سالم) ہے۔ اس باب سے فعل "لَاقٰی... یُلَاقِیْ مُلَاقَاۃً ولِقَاءً (دراصل لَاقَیَ یُلَاقِیُ مُلَاقَیَۃً یا لِقَایًا) کے معنی ہوتے ہیں: "... سے ملنا، .... سے ملاقات (جو عربی مصدر ہی کی اردو املاء ہے) کرنا یا ہونا (عموماً کسی پیشگی تیاری یا اطلاع کے بغیر)۔ کبھی اس کے معنی "دو چیزوں کو باہم ملا دینا" بھی ہوتے ہیں۔ اس [illegible] فعل کے بعد "بَیْنَ" (کے درمیان) استعمال ہوتا ہے مثلاً "لَاقَی بَیْنَ الرجلَیْنِ" (دو باہم کٹے ہوئے آدمیوں کو ملا دیا یعنی ملاقات کرا دی) تاہم یہ "بَیْنَ" والا استعمال قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا۔ قرآن کریم میں صرف پہلے معنی (ملاقات کرنا) میں ہی اس فعل سے مضارع کا ایک ہی صیغہ "یُلَاقُوْا" تین جگہ آیا ہے۔

● باب مفاعلہ سے اس فعل کا صیغہ اسم الفاعل "مُلَاقٍ" بنتا ہے جو دراصل تو "مُلَاقِیٌ" ہے پھر اس اسم منقوص کی (قاضی کی طرح) گردان (اعرابی) یوں ہوگی: "مُلَاقٍ، مُلَاقِیًا، مُلَاقٍ ـ مُلَاقِیَانِ ـ مُلَاقِیَیْنِ ـ مُلَاقُوْنَ اور مُلَاقِیْنَ" ـــــــ (نصب و جر کی یکساں شکل ایک ہی دفعہ لکھی گئی ہے) قرآن کریم میں اس اسم الفاعل کے صرف واحد (مذکر) اور جمع سالم (مذکر) کے صیغے سات (۷) جگہ آئے ہیں اور چھ جگہ یہ مضاف ہو کر استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے یہاں زیر مطالعہ آیت میں "مُلَاقُوا ربھم" کی صورت میں آیا ہے۔

● اس کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "ملنے والے ہیں اپنے پروردگار سے"۔ اور بعض نے اسی کا "روبرو ہونے والے ہیں اپنے مالک سے" کی صورت میں بہت عمدہ ترجمہ کیا ہے۔ جب کہ بعض حضرات نے اسم الفاعل کی بجائے مصدر کے ساتھ ترجمہ کیا ہے یعنی "ان کو ملنا ہے اپنے رب سے" یا "اپنے رب سے ملنا ہے" یا "ان کو اپنے پروردگار سے ملنا بھی ہے"۔ ظاہر ہے اس میں لفظی ترجمہ سے زیادہ اردو محاورے کا خیال رکھا گیا ہے۔

© rasailojaraid.c

۲ : ۳۰ : ۱ (۶) [وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ] اس جملے کا ابتدائی حصہ "وَ" (اور) + "اَنَّ" (کہ بے شک) + "ھُمْ" (وہ سب) کا مرکب ہے۔ اس کے بعد "الیہ" حرف الجر "اِلٰی" (کی طرف) + "ہ" (ضمیر مذکر مجرور بمعنی "اس") سے مل کر بنا ہے۔ یہاں اس جار مجرور کے خبر سے پہلے جو آگے بصورت "راجعون" آ رہی ہے، آجانے کی وجہ سے اس ترکیب میں حصر اور تاکید کے معنی پیدا ہو گئے ہیں لہٰذا اس (الیہ) کا ترجمہ یہاں "اس ہی کی طرف" ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ بیشتر مترجمین نے یہاں اس کا ترجمہ "اسی کی طرف" اور "اسی کی جانب" سے کیا ہے۔

● اور زیر مطالعہ جملے کا آخری لفظ "راجعون" ہے جس کا مادہ "ر ج ع" اور وزن "فاعلون" ہے اس مادہ سے فعل مجرد رجَع یرجِع (لوٹنا یا لوٹانا) کے باب معنی اور استعمال پر البقرہ: ۱۸ [۲ : ۱۳ : ۱ (۱۵)] میں بات ہو چکی ہے۔ یہ لفظ (راجعون) اس فعل مجرد سے صیغہ اسم الفاعل "راجعٌ" کی جمع مذکر سالم (مرفوع) ہے اور یہاں یہ فعل لازم والے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ "پھر جانے والے" "واپس جانے والے"، "لوٹنے والے" اور "لوٹ کر جانے والے" سے کیا گیا ہے بعض مترجمین نے اردو محاورے کا لحاظ رکھتے ہوئے اسم الفاعل کی بجائے مصدر کے ساتھ ترجمہ کیا ہے یعنی "لوٹ کر جانا ہے"، "واپس ہونا ہے" کی صورت میں (یہی فرق آپ نے ابھی اوپر "ملاقوا ربھم" کے ترجمہ میں ملاحظہ کیا ہے۔) یہ کلمہ (راجعون) اسی طرح (بصیغہ جمع مذکر سالم اور بحالت رفع) قرآن کریم میں کل چار دفعہ آیا ہے جن میں سے ایک یہ زیر مطالعہ مقام ہے۔

۲ : ۳۰ : ۲ الاعراب

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

اس قطعہ کی پہلی آیت بلحاظ ترکیب دراصل دو جملوں پر مشتمل ہے جن کو "واو الحال" کے ذریعے ملا دیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں بھی واو العطف سے ملائے گئے دو جملے ہیں مگر دراصل وہ دونوں صرف "صلے" ہیں جو اپنے موصول کے ساتھ مل کر "صفت" بنتے ہیں۔ جس کا موصوف پہلی آیت کا آخری لفظ

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

"الخاشعین" ہے۔ اس طرح دونوں آیات مل کر ایک مربوط لمبے جملے کی شکل اختیار کرتی ہیں تفصیل یوں ہے۔

① واستعینوا بالصبر والصلوۃ

[وَ] عاطفہ ہے جس کے ذریعے جملے کو (سابقہ) جملے سے ملایا گیا ہے اور چاہیں تو اسے واو مستانفہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں سے ایک الگ بات شروع ہوتی ہے [استعینوا] فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس میں ضمیر فاعلین "انتم" شامل ہے۔ [بالصبر] حرف الجر (بِ) اور مجرور (الصبر) مل کر متعلق فعل (استعینوا) ہیں اس لیے یہاں "بِ" کا ترجمہ "کے ذریعے سے" ہوگا۔ [والصلوۃ] کی "و" عاطفہ ہے جس کے ذریعے "الصلوۃ" معطوف ہے "بالصبر" پر۔ گویا دراصل عبارت "بالصبر و بالصلوۃ" ہے۔ یہاں تک ایک جملہ فعلیہ مکمل ہوتا ہے جسے جملہ انشائیہ کہیں گے کیونکہ اس کے شروع میں فعل امر ہے مکمل جملے کے اختتام کی وجہ سے یہاں وقف مطلق "ط" لکھا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

② وانھا لکبیرۃ الا علی الخشعین

[وَ] یہاں حالیہ ہی قرار دی جا سکتی ہے اس لیے کہ بلحاظ معنی یہاں عطف کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اگرچہ بیشتر مترجمین نے یہاں اس کا ترجمہ "اور" ہی سے کیا ہے تاہم یہاں اس میں "اور حالت یہ ہے کہ" کا مفہوم موجود ہے۔ [انھا] یہ حرف مشبہ بالفعل "اِنَّ" اور ضمیر منصوب متصل "ھا" کا مجموعہ ہے جس میں "ھا" اس (اِنَّ) کا اسم (لہٰذا منصوب) ہے۔ اور یہاں اس ضمیر (ھا) کا مرجع (۱) بظاہر تو "الصلوۃ" ہی ہے جو اس سے قریب ترین بھی ہے۔ (۲) تاہم بعض نحویوں نے اس کا مرجع فعل "استعینوا" کا مصدر "استعانۃ" قرار دیا ہے یعنی یہ "استعانۃ بالصبر و الصلوۃ" کبیرۃ (گراں) ہے۔ اور (۳) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ضمیر (ھا) "الصبر" اور "الصلوۃ" دونوں کے لیے ہو مگر اس میں تانیث کی مطابقت صرف "الصلوۃ" کے ساتھ ہے۔ کلامِ عرب میں بعض دفعہ دو مذکور ضمیروں کے لیے بغرض اختصار صرف ایک کے مطابق چیز کا استعمال عام ہے گویا ایسے موقع پر مخاطب دوسری چیز کو خود بخود اس میں شامل سمجھتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: "نحنُ وَھُوَ راضٍ بھذا" (ہم اور وہ اس پر راضی ہیں)۔ یہ دراصل "نحن راضون وھو راضٍ بھذا" تھا— یہی صورت دو چیزوں کے ذکر کے ساتھ صرف ایک کے مطابق ضمیر لانے کی ہے۔ اس لیے یہاں ضمیر "اِنّھما" کی بجائے "انّھا" کی شکل میں لائی گئی ہے۔ [لکبیرۃ] میں ابتدائی لام کو

© rasailojaraid.com

لامِ مزحلقہ کہتے ہیں جو کبھی "إنَّ" کے اسم پر اور کبھی اس کی خبر پر داخل ہوتی ہے اور اس سے معنی میں تاکید پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا اردو ترجمہ "البتہ" یا "ضرور" سے کیا جاتا ہے (لامِ مفتوحہ (لَ) اکثر تاکید کے لیے استعمال ہوتی ہے اور اسی لیے اسے لامِ تاکید بھی کہتے ہیں مگر جب یہ "إنَّ" کے اسم یا خبر پر آئے تو نحوی اسے "لامِ مُزَحلِقہ" کہتے ہیں، مفہوم اس میں تاکید ہی کا ہوتا ہے) اور "کبیرۃٌ" "إنَّ" کی خبر (لہٰذا) مرفوع ہے۔ [إلاَّ] حرفِ استثناء ہے جو یہاں معنی تو "مگر" کے ہی دیتا ہے مگر یہاں اس نے نصب دینے کا کوئی عمل نہیں کیا۔ اس لیے کہ اس سے پہلے "کبیرۃ" کے ساتھ کوئی ایسی چیز مذکور نہیں ہے جس سے آگے آنے والے لفظ "الخاشعین" کو مستثنیٰ قرار دیا جاتا۔ مثلاً اگر عبارت یوں ہوتی "وانھا لکبیرۃ علی الناس الا الخاشعین منھم" (اور وہ لوگوں پر بہت گراں ہے مگر ان میں سے "خاشعین" پر نہیں)۔ اس صورت میں "الخاشعین" مستثنیٰ منصوب بہ "إلاَّ" ہوتا تاہم مفہوم اب بھی وہی ہے اس لیے نحوی زبان میں [علی الخاشعین] کو (جو جار مجرور ہے) مطلب بھی کہتے ہیں، اس میں حرف الجر "علیٰ" کا تعلق لفظ "کبیرۃ" کے اصل فعل "کبُرَ علیٰ" کے صلہ سے ہے کیونکہ "کبیرۃ علی...." اور "کبُرت علی...." کا مطلب ایک ہی ہے (یعنی .... پر گراں ہے)۔ یہاں تک ("وانھا".... سے "الخاشعین" تک) ایک جملہ مکمل ہو جاتا ہے جو واوالحال (وَ) کے ذریعے سابقہ جملے (واستعینوا بالصبر والصلوۃ) سے مل کر ایک مربوط جملہ بنتا ہے۔

(۳) الذین یظنون انھم ملقوا ربھم وانھم الیہ راجعون۔

[الذین] اسمِ موصول ہے جو اپنے صلہ (مابعد والے جملہ) کے ساتھ مل کر (سابقہ آیت کے آخری لفظ) "الخاشعین" کی صفت بھی بن سکتا ہے۔ اس صورت میں اس "الذین" کو (مجرور بالجر "الخاشعین" کی صفت ہونے کے باعث) مجرور سمجھا جا سکتا ہے۔ اور چاہیں تو اسے (الذین کو) ایک محذوف مبتداء (ھُم) کی خبر قرار دے کر مرفوع بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس دوسری ترکیب کی صورت میں "الذین" کا ترجمہ "وہ لوگ جو کہ" ہونا چاہیے۔ پہلی ترکیب (صفت موصوف والی) کے مطابق اردو ترجمہ صرف "جو"، "جن" (کو) سے ہونا چاہیے (اور بیشتر مترجمین نے یہی دوسری صورت اختیار کی ہے)۔ [یظنون] فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے جس میں ضمیر الفاعلین (ھم) مستتر ہے جس کا مرجع "الذین" ہے۔ [أنھم] أنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے (جو یہاں درمیانِ کلام آنے کے باعث "إنَّ" کی بجائے "أنَّ" آیا ہے) اور "ھم" اس (أنَّ) کا اسم منصوب ہے۔ یہاں

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

(اَنّھم) سے ایک جملہ کی صورت میں فعل "یظنون" کے مفعول کا بیان شروع ہوتا ہے [ملاقو ربھم] یہ پورا مرکب اضافی (در اضافی) ہے یعنی "ملاقو" مضاف ہے (اس لیے خفیف یعنی لام تعریف اور نونِ اعرابی کے بغیر ہے) اس کے بعد "ربِّ" مضاف الیہ لہٰذا مجرور ہے۔ علامتِ جر "بِّ" کی کسرہ (ــِ) ہے اور یہ (ربّ) آگے مضاف بھی ہے اس لیے یہ بھی خفیف ہے۔ اس کے بعد "ھم" ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے۔ اس طرح یہ پورا مرکب اضافی "ملاقو ربھم" "أنَّ" کی خبر ہے اسی لیے "ملاقو" حالتِ رفع میں ہے جس کی علامتِ رفع واو ماقبل مضموم (ــُو) ہے جو جمع مذکر سالم کی علامت رفع ہوتی ہے۔ اس طرح "أنّ" اور اس کے اسم وخبر پر مشتمل یہ پورا جملہ اسمیہ (انھم ملاقو ربھم) فعل "یظنون" کا مفعول ہے جو در اصل دو مفعول کا کام دے رہا ہے یعنی یہ عبارت (یظنون انھم ملاقو ربھم) بلحاظ معنی (تقدیراً) کچھ یوں بنتی ہے "یظنون انفسھم ملاقی اللہ" (اور وہ خیال کرتے ہیں اپنے آپ کو اللہ سے ملاقات کرنے والے) اس طرح بلحاظ ترکیب یہاں تک (یظنون انھم ملاقو ربھم) ایک مکمل جملہ بنتا ہے جسے چاہیں تو "الخاشعین" کی صفت سمجھ لیں یا ایک محذوف مبتدأ (ھم) کی خبر سمجھ لیں۔

● [وَ] عاطفہ ہے جو یہاں دو جملوں کو ملانے کے لیے ہے [أَنَّھُمْ] یہ بھی مثل سابق "أنَّ" اور اس کے اسم منصوب "ھم" پر مشتمل ہے۔ [الیہ] جارّ (الی) اور مجرور (ہ) مل کر "أنَّ" کی خبر (جو آگے آرہی ہے) سے متعلق ہیں اور چونکہ یہ جار مجرور خبر سے مقدم (پہلے) ہے اس لیے اس میں حصر اور تاکید کے معنی ہیں یعنی اس کا ترجمہ "اسی کی طرف" اور "اس ہی کی طرف" ہوگا۔ [راجعون] یہ "أنَّ" کی خبر (لہٰذا) مرفوع ہے۔ علامتِ رفع آخری نون (اعرابی) سے پہلے والی "واو ماقبل مضموم (ــُو) ہے۔ اور یہ جملہ ("وانھم الیہ راجعون" جس کی سادہ نثر "وانھم راجعون الیہ" بنتی ہے) "وَ" کے ذریعے فعل "یظنون" کے پہلے مفعول جملہ (انھم ملاقو ربھم) پر عطف ہے یعنی یہ بھی بلحاظ معنی دو مفعول کے برابر ہے گویا تقدیراً عبارت یوں بنتی ہے "ویظنون انفسھم راجعین الیہ" (اور وہ خیال کرتے ہیں اپنے آپ کو واپس جانے والے اس کی طرف) ـــــ اس طرح فعل "یظنون" اپنے دو "مفعول" جملوں ("انھم ملاقو ربھم" اور "انھم الیہ راجعون") سمیت "الذین" کا صلہ بنتا ہے ـــ اور یہ سارا صلہ موصول ("الذین ... سے" راجعون" تک کی عبارت) "الخاشعین" کی صفت بنتے ہیں۔ اور اگر اس سارے صلہ موصول کو ایک محذوف مبتدأ (ھم) کی خبر قرار دیں تو بھی جملہ آخر "الخاشعین" کی صفت ہی ہوگا نحوی فرق صرف یہ ہوگا کہ براہِ راست صفت ماننے

© rasailojaraid.com

سے "الذین" کو مجرور کہیں گے اور دوسری (جملہ والی) صورت میں اسے خبر مرفوع کہیں گے۔ ان دونوں ترکیبوں سے ترجمہ کے فرق کو اوپر بیان کر دیا گیا ہے یعنی پہلی صورت میں ترجمہ "جو کہ" "جن کو" اور دوسری صورت میں "وہ لوگ جو کہ" ہوگا۔ اور اس طرح دوسری آیت (الذین ..... راجعون) چونکہ دونوں صورتوں میں "الخاشعین" ہی کا بیان ہے۔ اس لیے دونوں آیات بلحاظ مضمون ایک ہی طویل جملہ بناتی ہیں۔

۲ : ۳۰ : ۳ الرسم

اس قطعہ آیات کے بیشتر کلمات کا رسم املائی اور رسم عثمانی یکساں ہے۔ صرف چار کلمات کا رسم قرآنی (عام رسم سے) مختلف ہے یعنی "الصلوٰة"، "الخشعین"، "ملقوا ربھم" اور "رجعون" تفصیل یوں ہے۔

① "الصلوٰة" (جس کا رسم املائی عموماً "الصلاة" ہے) قرآن کریم میں عموماً ہر جگہ (خصوصاً جب معرف باللام ہو) "ل" کے بعد "و" سے لکھا جاتا ہے اگرچہ اس "و" کو پڑھا "الف" ہی جاتا ہے۔ اس لفظ کے رسم پر البقرة : ۳ [۲ : ۲ : ۳ (ا)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

② "الخشعین" (جس کی عام املاء "الخاشعین" باثبات الالف بعد الخاء ہے) قرآنِ کریم میں یہاں — بلکہ ہر جگہ (اور قرآن میں یہ لفظ بصورت جمع مذکر سالم (معرفہ، نکرہ اور مرفوع منصوب یا مجرور) چھ جگہ آیا ہے) اسے بحذف الالف بعد الخاء (الخشعین) لکھا جاتا ہے۔ اسے عام املاء کی طرح لکھنا (جیسا کہ ترکی، ایران وغیرہ میں رواج ہے) رسم عثمانی کی خلاف ورزی ہے۔

③ "ملقوا ربھم" — کی قرآنی املاء (رسم عثمانی) میں دو چیزیں قابلِ غور ہیں:۔

● اوّل تو اس میں کلمہ "ملاقو" (جو اس کی معتاد املاء ہے) کو "ملقو" یعنی "بحذف الالف بعد اللام" لکھا جاتا ہے۔ یہ لفظ بصورت واحد (ملق) اور بصورت جمع (ملقون) قرآن کریم میں کل سات جگہ آیا ہے جس میں سے صرف ایک جگہ (الحاقۃ : ۲۰) مفرد (غیر مرکب) اور باقی چھ مقامات پر بصورت مرکبِ اضافی (مضاف ہو کر) آیا ہے۔ تمام مقامات پر یہ لفظ بحذف الالف بعد اللام لکھا جاتا ہے اور یہ رسم عثمانی کا متفقہ مسئلہ ہے۔

● دوسری اہم بات اس مرکب (ملقوا ربھم) میں یہ ہے (اور اسی کو سمجھانے کے لیے یہاں یہ پورا مرکب لکھا گیا ہے)۔ کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ عربی میں کسی جمع مذکر سالم مرفوع کو مضاف کرتے وقت جب اس کا نون اعرابی گرا دیا جاتا ہے تو اس کی "واو الجمع" کے بعد (مضاف الیہ

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

سے پہلے) زائد الف (جسے اصطلاح میں الف الوقایہ بھی کہتے ہیں) نہیں لکھا جاتا یعنی اس مرکب کو عام عربی املاء میں "ملاقوربهم" لکھیں گے۔ مگر رسم عثمانی میں اسے "ملقوا" بحذف الالف بعد اللام کے علاوہ واو الجمع کے بعد ایک زائد الف (الف الوقایہ) کے ساتھ لکھتے ہیں گویا یہاں عام عربی املاء کی رو سے "واو" کے بعد زائد الف (وا) لکھنا غلط ہے (کیونکہ یہ الف الوقایہ صرف افعال (ماضی مضارع یا امر) کے واو الجمع والے صیغوں کے بعد لکھا جاتا ہے) مگر رسم عثمانی کے مطابق یہاں "زائد الف نہ لکھنا" غلطی ہے۔

● رسم قرآنی کے اتباع میں جمع مذکر سالم مرفوع مضاف اسماء کی واو الجمع کے بعد یہ زائد الف لکھنے کا رواج، عام عربی املاء میں بھی مدتوں (بلکہ صدیوں تک) رہا ہے۔ بعد میں یہ رواج صرف افعال کی واو الجمع کے بعد لکھنے تک محدود ہو گیا ہے[۱] ـــــ بلکہ اسی زائد الف کی بناء پر ہی اب اسم یا فعل میں تمیز کی جا سکتی ہے مثلاً "قاتلو المشركين" اور "قاتلوا المشركين" میں مقدم الذکر "قاتلو" اسم ہے (قاتل کی جمع مضاف)۔ اور موخر الذکر "قاتلوا" فعل (ماضی یا امر) کا صیغہ ہے۔ گویا اس "الف" کا ہونا یا نہ ہونا عربی گرامر جاننے والے آدمی کو صحیح عبارت پڑھنے اور اس کے معنی سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

(۴) "رجعون" (جس کی عام عربی املاء "راجعون" باثبات الالف بعد الراء ہے) قرآن کریم میں یہ لفظ رسم عثمانی کے اتباع میں "بحذف الالف بعد الراء یعنی بصورت "رجعون" ہی لکھا جاتا ہے پھر ضبط کے ذریعے اس محذوف الف کو (جو پڑھا ضرور جاتا ہے صرف کتابت میں محذوف ہوتا ہے) ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ (راجعون) بصورت جمع مذکر سالم مرفوع قرآن کریم میں چار جگہ آیا ہے اور ہر جگہ بحذف الالف (رجعون) ہی لکھا جاتا ہے۔ اس لفظ کو باثبات الالف (راجعون) لکھنے کی غلطی کا ارتکاب بلکہ رواج بعض ملکوں (خصوصاً ایران، ترکی، چین وغیرہ) میں عام ہے اور یہ متفقہ رسم عثمانی کی صریح خلاف ورزی ہے۔

۲ : ۳۰ : ۴ الضبط

زیر مطالعہ قطعہ آیات کے کلمات میں ضبط کے اختلافات کو درج ذیل مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے:

وَاسْتَعِينُوا، وَاسْتَعِينُوا، وَاسْتَعِينُوا، وَاسْتَعِينُوا /

بِالصَّبْرِ، بِالصَّبْرِ، بِالصَّبْرِ / وَالصَّلٰوةِ، وَالصَّلٰوةِ،

[۱] ـــ دیکھیے ابن درستویہ (المتوفی ۳۴۷ھ) کی "کتاب الکتّاب" ص ۴۶۔ نیز اسی کتاب کے آخر پر "ملحوظات" ص ۱۰۵ میں۔

© rasailojaraid.com

وَالصَّلٰوةِ / وَاِنَّهَا ، اِنَّهَا ، اِنَّهَا ، اِنَّهَا / لَكَبِيْرَةٌ ، لَكَبِيْرَةٌ ، لَكَبِيْرَةٌ ، لَكَبِيْرَةٌ / اِلَّا ، اِلَّا ، اِلَّا ، اِلَّا / عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ، الْخٰشِعِيْنَ ، الْخٰشِعِيْنَ ، الْخٰشِعِيْنَ / الَّذِيْنَ ، الَّذِيْنَ ، الَّذِيْنَ ، الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ ، يَظُنُّوْنَ ، يَظُنُّوْنَ / اَنَّهُمْ ، اَنَّهُمْ ، اَنَّهُمْ / مُلٰقُوْا ، مُلٰقُوْا ، مُلٰقُوْا / رَبِّهِمْ ، رَبِّهِمْ / وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ ، اِلَيْهِ ، اِلَيْهِ / رٰجِعُوْنَ ، رٰجِعُوْنَ ، رٰجِعُوْنَ ، رٰجِعُوْنَ۔

نوٹ: لفظ "الصلوٰة" کے ضبط کے بارے میں ۲ : ۲۹ : ۴ پر دی گئی ابتدائی وضاحت پر بھی نظر ڈال لیجئے۔

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب بزبان انگریزی

TURMOIL IN THE MUSLIM UMMAH TODAY

آڈیو اور ویڈیو کیسٹ کی صورت میں دستیاب ہے

(یہ خطاب ان متعدد خطبات اور لیکچرز میں سے ایک ہے جو ڈاکٹر صاحب نے حالیہ دورۂ امریکہ کے دوران بزبان انگریزی وہاں مختلف شہروں میں دیئے)

آڈیو کیسٹ -/40 روپے میں (سی - 60 کے دو کیسٹ پر مشتمل) اور ویڈیو کیسٹ -/150 روپے میں حاصل کئے جاسکتے ہیں

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور 36 - کے، ماڈل ٹاؤن

© rasailojaraid.com